© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد　　　　جلد: ۴۶　　شمارہ: ۲،۱

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی بحیثیت ناقدِ فن

پروفیسر ڈاکٹر نعیم نقوی

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی ایک اصولی انسان بھی ہیں اور بااصول تنقید نگار بھی۔ انہیں اپنے والد محترم حضرت علامہ ثاقب کانپوری مرحوم سے علم و فضل ورثہ میں ملا ہے۔ وہ علمی اور اخلاقی طور پر اپنی خاندانی وجاہتوں کے آئینہ دار ہیں۔ انہیں شاعری سے بھی لس ہے، پابند شاعری کے علاوہ آزاد شاعری بھی کرتے ہیں۔ مجنوں صاحب اور نیاز صاحب بھی شعر کہتے تھے۔ مگر انہوں نے اپنے ادبی قامت کو تنقیدی شعور سے منوایا، یہی معاملہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا بھی ہے۔ (وہ بحیثیت تنقید نگار صفِ اوّل کے فنکاروں میں شمار کیے جاتے ہیں)، انہیں کلاسیکی ادب پر بھی عبور حاصل ہے اور جدید ادب پر بھی ان کی رائے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ مغربی ادبیات اور تاریخ کے گہرے مطالعہ سے ان کی جاذب اثر شخصیت اور بھی سنور گئی ہے۔

میرے نزدیک جان دار تنقید وہ ہوتی ہے جس میں تخلیقی صلاحیتیں بطور خاص بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ تخلیقی عمل کے بغیر تنقید کسی طرح بھی وزن نہیں رکھتی ہے۔ عمدہ تنقید اعلیٰ تخلیق بھی ہوتی ہے۔ مجھے کشفی صاحب کی تصانیف سے یہ محسوس ہوا کہ وہ اعلیٰ تخلیق کار ہوتے ہوئے نہایت منجھے ہوئے تنقید نگار ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی ''تخلیقی'' عظمت کا اعتراف کرنا بھی از حد ضروری ہے۔ یعنی تخلیق، تحقیق اور تنقید کے بنیادی رشتوں کو ان کی تحریروں میں بیک وقت اس طرح دیکھا جا سکتا ہے (ان کی تنقید عصر حاضر کے لیے ایک معیار ٹھہرتی ہے)۔ ایسا معیار جو حیات اور کائنات کی صداقتوں کا آئینہ دار بھی ہے اور ان کی عظمت بے کراں کا پائندہ سبب بھی۔ چونکہ وہ محض نعرے بازی کے قائل نہیں ہیں اس لیے ان کی تحریریں بے جا جذبات سے پاک ہیں۔ وہ حقائق کی دنیا میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی دنیا میں رہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ (ان کے نظریات ان کی تنقید نگاری سے ایسے مربوط ہیں کہ ہم ان کی تنقید کو مخصوص رنگ و آہنگ میں دیکھ سکتے ہیں)۔ وہ مقصدیت سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے جمالیاتی اور تأثراتی مکتب فکر کے ایسے قابل ذکر نمائندہ کے طور پر اہم مقام حاصل کیے ہوئے ہیں کہ ان کی نگارشات سے افادیت بھی آشکار ہے اور زباں و بیان کے پہلو بھی نمایاں ہیں۔ وہ ادب اور لسانیات پر یکساں قدرت رکھتے ہیں جس کا اظہار ان کے تنقیدی مضامین سے ہوتا ہے۔ (افسانہ ہو یا نثر کی کوئی بھی قسم یا شاعری وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایک صنف تک محدود نہیں رہے۔ انہوں نے مختلف اصنافِ ادب پر تنقیدیں کی ہیں اور معیار یکساں رہا ہے۔ یہ خوبی بھی ایسی ہے جو بہت سے تنقید نگاروں کو میسر نہیں)۔

کشفی صاحب کی تنقید کو ہم متاعِ آگہی کا ایک آراستہ و پیراستہ شہر قرار دے سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تخلیقی وجدان سے اس شہر نگارش کو ایسے نادر پرشکوہ و دل نواز مناظر سے سجایا ہے کہ افہام و تفہیم کے حوالہ سے ایک باوقار نقد و نظر جمی ہوئی نظر آتی ہے جس میں تحرک آفرینیوں کو بعنوانِ حیات عقدہ کشا دیکھ کر مسرت و انبساط کا حقیقی پیغام ملتا ہے۔ ان کی پرکارانہ صناعی کا یہ کمال کیا کم ہے کہ دوسروں کے مبہم نقوش بھی ان کے فنکارانہ انداز سے ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے دشوار راہ کا تعین کیا ہے مگر اس سے خوش تر پہلو یہ ہے کہ بعض ناقدین کی طرح وہ اپنے افکار کی زد میں نہیں آئے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ جب بھی کسی فن پارہ پر محاکمہ کرتے ہیں تو مصنف کے ذہن و دل کی بیک وقت سیاحت کرتے ہوئے تنقید کا رخ کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ڈاکٹر کشفی کے ہاں طنزیہ پہلو نہیں ملتا۔ ملتا ہے مگر بہت ہی کم لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس فن پارہ پر وہ تنقید کرتے ہیں اس کا مصنف تلملا سکتا ہے یا تلملاہٹ کی لذت سے لطف بھی اٹھا سکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ ان کے طنزیہ انداز پر کسی حد تک احتجاج بھی کر سکتا ہے اور بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی تحریر میں ایک خاص سلیقہ، قرینہ اور رکھ رکھاؤ بھی ہوتا ہے۔

''جدید ادب کے دو تنقیدی جائزے'' کشفی صاحب کی ایک مختصر تنقیدی کتاب ہے مگر جامعیت کے اعتبار سے یہ ''تخلیق'' بہت سی ضخیم کتابوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ''دوسری جنگ عظیم کا اثر اُردو شاعری پر'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اگر صرف اسی کو سامنے رکھا جائے تو محسوس ہو سکتا ہے کہ مصنف کا حاسّہٗ انتقاد کس قدر تیکھا اور اثر انگیز ہے وہ پس منظر اور پیش منظر کو اولیت دیتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور (موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے ایسا تجزیہ پیش کرتے ہیں کہ فن تنقید کے تمام لوازمات بھی پورے ہو جاتے ہیں اور وہ جو کہنا چاہتے ہیں اسے اثر آفرینی سے منتقل بھی کرتے ہیں)۔

مذکورہ عنوان بھی انہوں نے نقد و نظر کے تحت ہر ممکن پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس کا بھی تذکرہ کیا ہے اور جنگ عظیم کے اُردو ادب اور ہمارے سماج پر جو اثرات مرتب ہوئے انہیں وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جوش کے متعلق تحریر کیا ہے۔ ''جوش ملیح آبادی نے اپنی نظم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام'' لکھی جو بڑی تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیل گئی اور دبی دبی سرگوشیوں میں ہر گلی اور ہر کوچے میں سنائی دینے لگی۔ جوش یقیناً اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فاشزم کی شکست ہر قیمت پر ضروری ہے کیونکہ فاشزم ایک کوہ آتش فشاں تھا اور ساری انسانیت اس کی زد میں تھی۔ انسانی تہذیب خطرے میں تھی، اس کے باوجود جب وہ یہ سنتے تھے کہ اتحادی اور انگریز تہذیب کی بقا کا نعرہ لگاتے ہیں تو وہ کھول اُٹھتے تھے اور برطانوی راج کی ڈیڑھ سو سالہ مظالم کی کہانی ان کے حافظے میں اُبھرنے لگتی تھی اور وہ یہ سوچنے لگتے تھے کہ انسانی تہذیب و تمدن کے یہ سب سے بڑے قاتل آج کس منہ سے انسانی تہذیب و تمدن کی بقا کا نعرہ بلند کر رہے ہیں''۔

ڈاکٹر کشفی کی کتاب ''اُردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر'' ایسی تحقیقی تصنیف ہے جو ۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء کے عہد پر محیط ہے۔ بنیادی طور پر یہ تحقیقی کتاب ہے مگر اس میں ایسے تنقیدی زاویے ملتے ہیں کہ اس کی افادیت دو چند ہو گئی ہے۔ بعض مقامات پر اختلاف کی گنجائش تو ہو سکتی ہے مگر اس موضوع پر میری نظر سے اب تک کوئی ایسی جامع کتاب نہیں گزری۔ اس کتاب میں ایک جگہ نظیر اکبر آبادی پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

> ''نظیر کی شاعری میں دنیا کے تماشے کے ساتھ ساتھ ایک اور پہلو بھی نمایاں ہے وہ ہے اقتصادی مسئلہ کا احساس۔ دوسرے شاعروں نے معاشی بدحالی کا رونا رویا ہے اور اپنے شہر آشوبوں میں بے روزگاری کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ''آٹے دال'' اور ''تلاش زر'' کا ذکر جس طرح نظیر نے کیا ہے کسی اور شاعر نے نہیں کیا۔ آٹے دال اور روپے کو انہوں نے زندگی کی حقیقتوں کی طرح پیش کیا ہے ایسی حقیقتیں جو لوگوں کو نشاطِ کار عطا کرتی ہیں۔ ایسی حقیقتیں جو مفلس و کنگال اور مفلس و غنی سب کی زندگی کا محور ہیں''۔

''ہمارے عہد کا ادب اور ادیب'' تنقیدی مضامین کا ایسا مجموعہ ہے جس میں مختلف اصنافِ ادب پر قابل ذکر تنقیدیں ملتی ہیں مثلاً پہلا مضمون ادب کا سب سے بڑا مسئلہ ادب'' ایسا بھرپور مضمون ہے جو فکری بلندی زبان و بیان کی روانی اور اثر آفرینی کے سبب ایک ادبی شاہکار ہے۔ یہی معیار باقی مضامین میں بھی ملتا ہے۔ اگرچہ یہ مجموعہ مصنف کی پہلی تنقیدی کاوش ہے مگر معنویت اور افادیت کے اعتبار سے اس کی تنقیدیں صفِ اوّل کے نقادوں کی ہم پلہ نظر آتی ہیں گویا کشفی صاحب کے اعلیٰ محاکمہ کا انکشاف ابتدا میں ہی ہو گیا تھا۔ اُردو میں ناول کا مستقبل، بھی ان کے پہلے تنقیدی مجموعے میں شامل ہے۔ موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ تحریر کیا ہے: ''بڑا ناول نگار کرداروں اور کہانی کے ذریعہ زندگی کی ان حقیقتوں کو پیش کرتا ہے جو حیات کے طویل سفر میں اس نے دریافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہیں۔ میں نے تلاش کی جگہ دریافت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حقیقت کی دریافت ہمارا اور آپ ہی کا کام ہے اس لیے ہر دور کی بنیادی حقیقت مختلف ہوتی ہے۔ حقیقت کی تلاش بھی بڑی بات ہے، خواہ ہم ناکام رہیں یا کامیاب۔ فنی طور پر ناول کو پرکھنے کے اصول مقرر اور متعین کیے گئے ہیں لیکن ان کے علاوہ ہر ناول پڑھتے ہوئے میں یہ دیکھتا ہوں کہ اس میں کتنے ایسے جملے ہیں جن سے مجھے روشنی ملی یا زندگی کے بارے میں میرا علم وسیع ہوا''۔

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے اپنی نگارشات میں فکری پہلوؤں کے ساتھ ساتھ طریقہ ابلاغ کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ انہوں نے جدید تنقیدی نظریات کو مخصوص طرح اپناتے ہوئے اپنی نئی راہ کا تعین کیا ہے۔ ان کے اکثر جملے ہلکے پھلکے ہوتے ہوئے بھی معنوی اعتبارات سے بڑے وزنی ہوتے ہیں۔ وہ ایسا مضمون لکھنے کے قائل نہیں جس میں کوئی بات نہ ہو۔ (ان کی علمی پختگی اور ذہانت سے ان کی تنقید اس معیار پر ہے کہ جدید دور میں ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے)۔ اگر ''باغ و بہار'' پر لکھی ہوئی ان کی تنقید ہی کسی کے سامنے ہو تو قاری بغیر کسی پس و پیش کے صرف ایک مضمون پڑھ کر ہی ان کے ادبی قامت کا دل سے معترف ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے بے شمار تنقیدی مضامین لکھے ہیں جن میں سے اکثر مختلف معیاری کتابوں، رسائل اور ادبی جرائد کی زینت ہیں۔ اگر انہیں یکجا کیا جائے تو کم سے کم دو ضخیم تنقیدی کتابیں شائع ہو سکتی ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ان کا مقالہ ''ہمارے ادب کے آفاقی رشتے'' ہے جو انہوں نے کل پاکستان اہلِ قلم کانفرنس ۱۹۸۱ء میں پڑھا تھا۔ اس مقالہ کی ابتداء انہوں نے اس طرح کی ہے: ''آفاقیت بڑے ادب کی بنیادی صفت ہے۔ انسانیت کے عظیم ذہن جس افق پر اپنے فکر و احساس کی عزیز ترین متاعِ عالم انسانیت کے عظیم ذہن جس افق پر اپنے فکر و احساس کی عزیز ترین متاع عالم انسانیت کے حضور پیش کرتے ہوئے زمان و مکان کی قیود کو توڑ دیتے ہیں وہ فنونِ لطیفہ کا افق ہے اور بالخصوص ادبیات کا بڑا ادیب اپنے عہد کی پیداوار، اپنی قوم کا فرد اور اپنی روایات کا پروردہ ہوتے ہوئے اس جہانِ تازہ کی تخلیق کرتا ہے جو اپنے حال اور مقام سے بلند تر ہوتے ہوئے آفاق اور کائنات کو اپنی وسعتوں میں سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال اور شیکسپیئر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے بیان کی بھرپور تائید کی ہے وہ لکھتے ہیں اقبال کی نظم مسجد قرطبہ کسی ایک مسجد سے متعلق نظم نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کے تصور جمال اور جمالیاتی قدروں پر خلاقانہ تبصرہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و مکان کے جبر اور انسانی ذات کے درمیان کشمکش اور انسان کی آبرو مندی کی دستاویز ہے۔ شیکسپیئر کے اوتھیلو Othello کا موضوع وہ ازدواجی شک و شبہ ہے جو آئے دن قتل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محرک بن کر اخباری خبروں کو جنم دیتا ہے اور بس۔ اوتھیلو نہ کسی تاریخی واقعہ کے پس منظر میں لکھا گیا نہ یہ بدکاری، قتل اور خودکشی کے واقعاتی امکانات تک محدود ہے بلکہ شیکسپیئر نے اس موضوع کو انسان اور حیاتِ ارضی کی ایک آفاقی صداقت کے درجہ تک پہنچا دیا''۔ ہمارے ادب اور آفاقی رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے اس مقالہ میں کشفی صاحب نے اسلامی اقدار اور پاکستانی زبانوں کے حوالوں سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس طرح انہوں نے موضوع کو اپنے طور پر کسی اعتبار سے تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ کشفی صاحب کا ایک مضمون ''ادب اور قومی شعور'' بھی فکر و فن کے اعتبار اعلیٰ تنقیدی زاویوں کا حامل ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے مختلف جہتوں سے خامہ فرسائی کی ہے۔ میں نے اس میں ایک اہم بات یہ دیکھی ہے کہ موضوعات میں اسلامی نظریات اور ارضیت کے حوالوں سے اپنے افکار کو نہایت ہی شگفتہ اور شائستہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک سیاسی اور سماجی پس منظر کی اہمیت ہے۔ اس کی وضاحت میں بھی انہوں نے فنکارانہ مہارت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ اسلامی نظریات کو بطورِ خاص ایسے عقلیت پسندانہ طریقہ سے پیش کرتے ہیں کہ کوئی بھی قاری ان کے طریقہ استدلال کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ادب اور سماج سے متعلق انہوں نے اس مضمون میں تحریر کیا ہے۔ ''ادب ایک سماجی عمل ہے۔ ادب کے وسیلے سے مختلف سماجوں اور معاشروں نے اپنے مجموعی اندازِ فکر، مختلف رویوں، اپنی ثقافت اور اپنے شعور کا اظہار کیا ہے۔ ادب کو ہر مہذب معاشرہ نے صرف گہری توجہ کا مستحق ہی نہیں سمجھا بلکہ ادب کے آئینے میں اپنے بطون کو تلاش کیا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی بناء پر اعلیٰ ادب آفاقی ہوتے ہوئے بھی قومی ہوتا ہے۔ وہ کسی قوم کی اقدار کا تخلیقی اظہار ہوتا ہے اور کسی خاص دور کے اندازِ فکر کی نہایت معتبر شہادت ہوتا ہے۔ ایسی شہادت کہ دوسری تاریخی دستاویزیں اس کی جگہ نہیں لے سکتیں، کیوں کہ ان دستاویزوں میں انسانی شعور اور لاشعور کی آویزش، فرد اور معاشرہ کی ایسی کشمکش عمل اور ردِعمل کا ایسا سلسلہ نہیں ملتا جس سے ادب عبارت ہے۔

مذکورہ حقائق کے پیش نظر نہایت وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عصر حاضر میں سیّد ابوالخیر کشفی کی تنقیدنگاری افادیت، عقلیت پسندی اور اسلامی نظریات کی پیش کش کے حوالوں سے حسن اعتبار رکھتی ہے۔ وہ صف اوّل کے نقاد ہیں۔ اگر ان کے متفرق مضامین بھی کتابی صورت میں شائع ہو جائیں تو نہ صرف ان کی مطبوعہ تخلیقات میں ایک باقاعدہ اضافہ ہو بلکہ جدید تنقید کے حوالہ سے نئے ناقدین کو بھی نئی راہوں کے لیے مزید مواقع فراہم ہوسکیں۔

© rasailojaraid.com